سورۃ اللیل

آیاتھا ۲۱ ۹۲ سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ ۹ رکوعھا ۱

یہ مکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مدنی ہے۔ اس کی اکیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾

"قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں"۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ فعل کا مفعول ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا مفعول معلوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ النَّھار (دن) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ الارض (زمین) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ الخلائق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس نے ہر شئی کو اپنی تاریکی سے ڈھانپ لیا۔ سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا۔ اس نے تاریکی کو سخت سیاہ اور نور کو انتہائی روشن بنا دیا۔

وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ قسم ہے دن کی جب وہ منکشف و ظاہر ہو جائے اور اپنی روشنی کے ساتھ رات کی تاریکی سے جدا ہو جائے۔

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ﴿۳﴾ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے مذکر اور مونث کو پیدا کیا (1)۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مذکر اور مونث پیدا کرنے کی قسم۔ یہاں مَا مصدریہ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اہل مکہ رعد (کڑک) کے بارے میں کہتے ہیں: سبحان ما سبحت له تو ما، من کے معنی میں ہے؛ یہ ابو عبید اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وما خَلَقَ مِنَ الذَّکَرِ والانثی تو من مضمر ہو گا تو قسم اہل طاعت یعنی انبیاء و اولیاء کی ہو گی۔ تو یہ قسم ان کی تکریم اور تعظیم کے لیے ہو گی۔ ابو عبید نے کہا: مَا، من کے معنی میں ہے اسی طرح ان آیات میں بھی مَا، من کے معنی میں ہے: وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۙ﴿۵﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۙ﴿۶﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿۷﴾ (الشمس)

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 458

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ یوں قراءت کرتے والنھار اِذا تجلی والذَّکَرِ والأنثی اور ما خلق کوگرا دیتے۔ صحیح مسلم میں علقمہ سے مروی ہے: ہم شام آئے اور ہمارے پاس حضرت ابو درداء آئے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ پر حضرت عبداللہ کی قراءت پڑھے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: تو نے حضرت عبداللہ کو یہ آیت وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۝ کیسے پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ کہا: میں نے انہیں والَّیلِ اِذا یغشٰی والذَّکَرِ والأنثی پڑھتے ہوئے سنا ہے، کہا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے لیکن یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ میں پڑھوں وَمَاخَلَقَ میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔ ابوبکر انباری نے کہا: محمد بن یحییٰ مروزی، محمد سے وہ ابو احمد زبیری سے وہ اسرائیل سے وہ ابو اسحاق سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے وہ حضرت عبداللہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اِنِّی اَنَا الرَّزاق ذُو القوة المتین (1) پڑھ کر سنایا ہے ابوبکر نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک مردود ہے کیونکہ اجماع ان کے خلاف ہے حمزہ اور عاصم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ روایت نقل کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے ایسی دو سندوں پر انحصار کرنا جو اجماع کے موافق ہوں، اس سے بہتر ہے کہ کسی ایک ایسی سند کو اپنایا جائے اجماع امت جس کی مخالفت کرے۔ جو حکم ایک روایت پر مبنی ہو جب وہ جماعت کی ایسی روایت کے مقابل آجائے جو اس کی مخالفت کر رہی ہو تو جماعت کی روایت کو لینا یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ایک روایت میں نسیان اور غفلت کا امکان موجود ہے۔

اگر حضرت ابو درداء کی حدیث صحیح ہو اور اس کی سند مقبول و معروف ہو پھر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا اور دوسرے صحابہ اس کی مخالفت کرتے ہوں تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے جو ایک تنہا روایت کرتا ہے اس کو چھوڑنا مناسب ہے جسے جلدی نسیان ہو سکتا ہے جب کہ جماعت اور تمام ملت کے لیے ایسا نہیں ہوتا۔

مذکر اور مونث میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور کلبی کا قول ہے۔

(۲) انسانوں اور مخلوقات میں سے جو مذکر اور مونث ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو مذکر و مونث کی صورت میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مذکر و مونث انسانوں میں سے ہیں چوپاؤں میں سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و ولدیت میں یہی خاص ہیں۔

اِنَّ سَعْیَكُمْ لَشَتّٰی ۝ یہ جواب قسم ہے معنی ہے تمہارا عمل مختلف ہے۔ عکرمہ اور دوسرے مفسرین نے کہا: سعی کا معنی عمل ہے کوئی اپنے نفس کو بچانے میں لگا ہوا ہے اور کوئی اسے ہلاک کرنے میں مصروف ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: النَّاسُ غادِیَانِ فمبتاع نفسه فمعتقها وبائع نفسه فموبقها (2) لوگ دو طرح صبح کرتے ہیں اپنے نفس کو خریدنے والا اور اسے آزاد کرنے والا ہوتا ہے، اپنے نفس کو بیچنے والا اسے ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔ شتی، شتیت کی جمع

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحروف القراءة، حدیث نمبر 3479، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22902

ہے جس طرح مریض کی جمع مرضیٰ آتی ہے۔ مختلف کو بھی شتی کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس کا بعض بعض سے دور ہوتا ہے یعنی تیرا عمل ایک دوسرے سے دور ہے کیونکہ اس کا بعض گمراہی ہے اور بعض ہدایت ہے یعنی تم میں سے کچھ مومن و نیک ہیں، کافرو فاجر ہیں، مطیع و عاصی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لَشَتّٰی سے مراد ہے جس کے اجزاء مختلف ہوں۔ ان میں سے بعض کو جنت کا ثواب ملے گا اور کچھ کو جہنم کا عقاب ملے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اخلاق مختلف ہیں تم میں سے کچھ رحم دل اور کچھ سخت دل ہیں، کچھ بردبار اور کچھ طیش والے ہیں، کچھ سخی اور کچھ بخیل ہیں اور اس کی مثل دوسرے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ۝۶ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ؕ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۙ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۙ۝۹ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ؕ۝۱۰

''پھر جس نے (راہ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے مشکل راہ''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

اس آیت کا مصداق اور عطا کی فضیلت

مسئلہ نمبر 1۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝۵ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں؛ عام مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق مسلمان بوڑھے مرد اور عورتوں کو آزاد کیا کرتے تھے تو ان کے والد حضرت ابوقحافہ نے ان سے کہا: اے بیٹے! کاش تم قوی و طاقتور غلام آزاد کرتے جو تیرا دفاع کرتے اور تیرے ساتھ کھڑے ہوتے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: اے میرے ابا جان! میں ارادہ کرتا ہوں جو ارادہ کرتا ہوں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اَعْطٰی کا معنی ہے خرچ کیا اور اتَّقٰی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے سے بچا۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝۶ حسنیٰ سے مراد ہے کہ بندہ جو عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ عطا کرتا ہے اس کی تصدیق کی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''ما مِنْ یومٍ یصبح العباد فیه إلا ملکان ینزلان فیقول أحدهما: اللّهم أعط منفقا خلفا ویقول الآخر اللّهم أعط ممسکا تلفا (2) کوئی دن نہیں ہوتا جس میں لوگ صبح کرتے ہیں مگر دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے کو بربادی دے''۔

حضرت ابودرداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی دن کا سورج غروب نہیں ہوتا مگر اس کے پہلو میں دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس اعلان کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سنتی ہے مگر جن وانس: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 466

2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8054

بدلہ عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی دے"۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم نازل فرمایا۔

علماء تفسیر نے فرمایا: مَنْ اَعْطٰى سے مراد ہے تنگ دستوں کو مال عطا کیا۔ قتادہ نے کہا: اس بندے پر اللہ تعالیٰ کا جو حق تھا وہ عطا کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: دل سے سچی بات کہی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى سے مراد ہے اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کی؛ یہ ضحاک، سلمی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مجاہد نے کہا: حسنیٰ سے مراد جنت ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس: 26) قتادہ نے کہا: حسنیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اس نے بندے سے بدلہ دینے کا کیا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد عطا کا بدلہ ہے؛ یہی طبری کا پسندیدہ مسلک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔ سب کے معانی قریب قریب ہیں، کیونکہ سب معانی اسی ثواب کی طرف لوٹتے ہیں جو جنت ہے۔

تنگی کو آسانی میں بدلنے کی وضاحت

مسئلہ نمبر 2۔ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۞ ہم اسے خیر اور صلاح کے اسباب کی طرف ہدایت دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کے لیے ان اسباب کو بجالانا آسان ہو جاتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: یسریٰ سے مراد جنت ہے۔ صحیحین اور ترمذی میں حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: ہم بقیع میں جنازہ میں تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کو کرید رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا۔ فرمایا: "ہر نفس کے داخل ہونے کی جگہ کو لکھ دیا گیا ہے"۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اپنے کیے پر بھروسہ نہ کریں؟ جو سعادت مند ہوگا تو وہ سعادت کا کام کرے گا اور جو بدبخت ہوگا تو وہ بدبختوں والا کام کرے گا۔ فرمایا: "بلکہ تم عمل کرو ہر ایک کو توفیق دی گئی ہے جو سعادت مند ہوتا ہے تو اسے سعادت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور جو بدبخت ہوتا ہے تو اسے بدبختی کے عمل کا موقع دیا جاتا ہے پھر پڑھا: جس نے مال عطا کیا، تقویٰ اختیار کیا اور حسنیٰ کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان عمل کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا، غنی بنا اور حسنیٰ کی تکذیب کی تو ہم اسے عسریٰ کا موقع دیں گے" (1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں: اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دونو جوانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا عمل ایسی چیز ہے جس کے بارے میں قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے؟ یا عمل ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ بعد میں ہونا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بلکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے بارے میں قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے" دونوں نے عرض کی: "پھر عمل کس لیے؟ فرمایا: عمل کرو ہر ایک کو ایسے عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے" دونوں نے کہا: اب ہم کوشش کریں گے اور ہم عمل کریں گے (2)۔

1۔ جامع ترمذی کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اللیل اذا یغشیٰ، حدیث نمبر 3267، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 473

عسریٰ کو آسان کرنے کا مفہوم اور صورتیں

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾ یعنی جس نے اپنے پاس موجود مال میں بخل کیا اور مال خرچ نہ کیا۔ اس کی وضاحت اور دنیا میں اس کے بخل کے میں بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے اور آخرت میں اس کا ٹھکانا آگ ہوگا جس طرح اس آیت میں ہے۔ ضحاک نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں اس کے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے درمیان حائل ہو جاؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے جس نے مال میں بخل کیا اور سب سے غنی بنا اور بدلہ کو جھٹلایا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ ایک دوسری سند سے یہ قول بھی مروی ہے کہ حسنیٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ہم اس کا راستہ شر کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عسریٰ سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس پر خیر اور صلاح کے اسباب مشکل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کو بجالانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فرشتہ صبح و شام ندا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا کرنا اور روکنے والے کو بربادی دینا۔ اسے حضرت ابو درداء نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: علماء نے کہا: اس آیت نیز اس ارشاد وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ (البقرہ) اور اس ارشاد: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً (البقرہ: 274) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سخاوت مکارم اخلاق میں سے ہے اور بخل رذیل اخلاق میں سے ہے سخی وہ نہیں جو ایسی جگہ مال دے جو مال دینے کا محل نہ ہو اور بخیل وہ نہیں جو روکنے کی جگہ سے مال روک لے بلکہ سخی وہ ہے جو عطا کی جگہ مال عطا کرے اور بخیل وہ ہے جو عطیہ کی جگہ روک لے ہر وہ آدمی جو عطا کرنے کے ساتھ اجر اور حمد کا مستحق بنتا ہے وہ جواد ہے اور ہر وہ آدمی جو مال روکنے کے ساتھ مذمت اور عتاب کا مستحق بنتا ہے تو وہ بخیل ہے اور جو عطا کے ساتھ اجر اور حمد کا مستحق نہیں بنتا بلکہ وہ مذمت کا مستحق بنتا ہے تو وہ سخی نہیں بلکہ اسراف کرنے والا اور مذموم ہے یہ ان اسراف کرنے والوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کے بھائی قرار دیا ہے اور ان پر محرومی کو لازم کیا ہے۔ جو آدمی مال روکنے کی وجہ سے عقاب اور مذمت کا مستحق نہیں بنتا وہ حمد کا مستحق ہوتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ ہے یہ وہی لوگ ہیں جو حسن تدبیر اور اچھی رائے کے ساتھ دوسروں کے اموال برقرار رہنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فراء نے کہا: ایک معترض کہتا ہے یہ کیسے ارشاد فرمایا: فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى کیا تنگی میں کوئی آسانی ہے؟ تو جواب میں کہا جاتا ہے: یہ ارشاد بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ (آل عمران) بشارت اصل میں خوشی عطا کرنے والے امر پر ہوتی ہے جب ان دو کلاموں میں یہ جمع کر دیا گیا کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے تو دونوں میں آسانی آگئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَنُیَسِّرُهٗ کا معنی ہے ہم اسے تیار کریں گے۔ عرب کہتے ہیں: قد یسرت الغنم یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ بچہ جن دے یا جننے کے لیے تیار ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

هما سيدان يزعمان وانما يسوادانِنا أن يَتْهَتْ غَناهما(1)

وہ دونوں سردار ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے ریوڑ بچے جننے کے لیے تیار ہیں جب کہ وہ دونوں ہماری سرداری کرتے ہیں۔

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۝ۖ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى۝

''اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے راہنمائی کرنا۔ یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں''۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى۝ تَرَدّٰى کا معنی ہے ہلاک ہونا یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَدِيَ الرجلُ يَرْدَى رَدًى جب وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

صرفت الهوى عنهن من خشية الردى

میں نے ہلاکت کے خوف سے ان سے محبت کو پھیر لیا۔

ابو صالح اور زید بن اسلم نے کہا: اِذَا تَرَدّٰى کا معنی ہے جب جہنم میں گرے، اس معنی میں متردیہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَدِيَ في البئر وتردى جب وہ کنویں میں گر گیا یا وہ پہاڑ سے نیچے گر گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أدري أين رَدِيَ؟ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا۔ مَا کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ نافیہ ہے۔ یعنی مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ استفہامیہ ہو اس کا معنی توبیخ ہے یعنی جب وہ ہلاک ہو گا اور جہنم میں گر جائے گا تو اسے کون سی چیز نفع دے گی؟

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۝ یعنی ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ ہم گمراہی کے راستہ سے ہدایت کے راستہ کو جدا کر دیں پس ہدایت سے مراد احکام کا بیان ہوگا؛ یہ زجاج کا نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے حلال و حرام اور طاعت و معصیت کا بیان؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: جو ہدایت کی راہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اس کو راستہ دکھانا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل:9) وہ کہتا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا وہ سیدھے راستے پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہمارے قبضہ قدرت میں ہے ہدایت دینا اور گمراہ کرنا۔ اور اضلال کو ترک کر دیا گیا ذکر نہیں کیا گیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں صرف خیر کا ذکر کیا گیا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران:26) بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (یاسین:83) جس طرح فرمایا: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل:81) جب کہ وہ سردی سے بھی بچاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے ذمہ کرم پر ہے اسے ہدایت کا بدلہ دینا جسے ہم نے ہدایت سے نوازا۔

آخرۃ سے مراد جنت ہے اور اولیٰ سے مراد دنیا ہے۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے یعنی دنیا و آخرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد دنیا و آخرت کا

1۔ معانی القرآن للفراء، جلد 3، صفحہ 271

ثواب ہے، یہ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النساء: 134) جس نے ان دونوں چیزوں کو ان کے مالکوں کے علاوہ غیر سے طلب کیا تو اس نے غلط راستہ کا انتخاب کیا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

''پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی''۔

میں نے تمہیں ڈرایا ایک ایسی آگ سے جو شعلہ زن ہے اور روشن ہے تَلَظّٰى اصل میں تتلظى تھا؛ یہ عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس کی گرمی کو نہیں پائے گا مگر ایسا بدبخت جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ایمان سے اعراض کیا۔ مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر کوئی جنت میں داخل ہو گا مگر جس نے اس کا انکار کیا۔ مکحول نے پوچھا: اے ابو ہریرہ وہ کون ہے جو جنت میں داخل ہونے سے انکار کرتا ہے؟ فرمایا: جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ امام مالک نے کہا: ہمیں حضرت عمر بن عبد العزیز نے مغرب کی نماز پڑھائی تو وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ کی قراءت کی جب وہ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ تک پہنچے تو رونے لگے تو رونے کی وجہ سے اسے آگے نہ پڑھ سکے، اسے چھوڑ دیا اور دوسری سورت پڑھی۔ فراء نے کہا: اِلَّا الْاَشْقَى سے مراد ہے مگر وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں شقی ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ لا یصلاھا إلا الأشقى سے مراد امیہ بن خلف اور اس جیسے دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔ قتادہ نے کہا: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے روگردانی کی۔ فراء نے کہا: اس سے مراد جس نے ظاہری رد سے نہیں جھٹلایا تھا بلکہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا اس کو بجا لانے میں کوتاہی کی اسے تکذیب قرار دیا گیا، جس طرح تو کہتا ہے: لقی فلان العدو فکذب جب وہ انکار کرے اور اس کی اتباع سے پھر جائے۔ کہا: میں نے ابو ثروان کو یہ کہتے ہوئے سنا: إن بنى نمير ليس لِجِدّهم مكذوبة۔ مراد ہے جب وہ دشمنوں سے ملتے ہیں تو قتال کو سچ کر دکھاتے ہیں اور رجوع نہیں کرتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ (الواقعہ) یعنی وہ حق ہے۔ میں نے سلم بن حسن کو کہتے ہوئے سنا کہا میں نے ابو اسحاق زجاج کو کہتے ہوئے سنا: یہ آیت مرجئہ (1) کی بڑی دلیل ہے ان کا گمان ہے کہ جہنم میں کافر کے سوا کوئی داخل نہیں ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا۔ یہ آگ ہے جس کی یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو گا مگر وہ جو جھٹلائے اور اعراض کرے جہنمیوں کی کئی منازل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ منافقین آگ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے جس کو عذاب کی جنس کی دھمکی دی ہے تو اس

1۔ مرجئہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ رہا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے نافرمانی کوئی نقصان نہیں دیتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت نفع نہیں دیتی۔ انہیں نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاصی پر عذاب کو موخر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مرجئہ سے مراد ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں ایمان عمل کے بغیر صرف قول ہے گویا انہوں نے قول کو اولیت دی عمل کو موخر کر دیا۔

کے بارے میں جائز ہے کہ اسے عذاب دیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: 48) اگر ایسے فرد کو عذاب نہ دیا جانا ہوتا جس نے شرک نہ کیا ہوتا تو اس کلام وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور یہ ایسی کلام ہوتی جس کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

زمخشری نے کہا: آیت مشرکوں میں سے عظیم اور مومنوں میں سے عظیم کی حالتوں میں موازنہ کے لیے وارد ہوئی ہے اور یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی متناقص صفات میں مبالغہ سے کام لیا جائے، تو یہ فرمایا گیا: الْاَشْقَى اسے صَلیٰ کے ساتھ مختص کیا گیا گویا جہنم پیدا اس کے لیے کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتقی کو جنت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے گویا جنت اس کے لیے پیدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اشقی سے مراد ابو جہل اور امیہ بن خلف ہے اور اتقی سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

''اور دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیز گار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے''۔

یعنی اس جہنم سے وہ آدمی دور ہوگا جو متقی اور ڈرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْاَتْقَى سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں جنہیں جہنم میں داخل ہونے سے دور رکھا جائے گا۔ پھر الْاَتْقَى کی صفت ذکر کی جو مال اس لیے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو جائے وہ اس سے ریاکاری اور شہرت کا طالب نہیں بلکہ وہ صدقہ کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو۔ بعض علماء معانی نے کہا کہ الْاَتْقَى اور الْاَشْقَى سے مراد متقی اور شقی ہے جس طرح طرفہ کا قول ہے:

تمنى رجال أن أموت وان أمت فتلك سبيل لست فيها بأوحدِ

کچھ لوگوں نے تمنا کی کہ میں مر جاؤں اگر میں مر گیا تو وہ ایسا راستہ ہے جس میں میں اکیلا نہیں۔

یہاں أوحد، واحد اور وحید کے معنی میں ہے افعل کا صیغہ فعیل کی جگہ رکھا جاتا ہے جس طرح ان کے قول: اللہ اکبر میں اکبر، کبیر کے معنی میں ہے اسی طرح وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: 27) میں اهون، هین کے معنی میں ہے۔

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

''اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودگی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا''۔

وہ اس لیے صدقہ نہیں کرتا کہ وہ کسی احسان کا بدلہ چکائے وہ تو اپنے عظیم رب کی رضا چاہتا ہے۔ وہ جزا پر ضرور راضی ہو گا۔ عطا اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دیں اور حضرت بلال احد احد کہتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: ''احد تجھے نجات دے گا''۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابا بکر! حضرت بلال کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ بھانپ گئے اور اپنے گھر چلے گئے سونے کا ایک رطل لیا اور اسے امیہ بن خلف کے پاس لے گئے۔ اس سے پوچھا: کیا تو بلال کو میرے ہاتھ بیچتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید لیا اور اسے آزاد کر دیا۔ مشرکوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق نے بلال کو آزاد نہیں کیا مگر اس لیے کہ حضرت بلال کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان ہوگا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی کسی کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جاتا بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے بزرگ و برتر رب کی رضا کے لیے کیا ہے (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت بلال کو ایک غلام اور دس اوقیہ میں خریدا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ (الليل) تمہاری کاوشیں مختلف ہیں۔

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جب حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف سے کہا: کیا تو بلال کو میرے ہاتھ میں بیچتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں اسے نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں۔ نسطاس حضرت ابوبکر صدیق کا غلام تھا جس کے پاس دس ہزار دینار، غلام، لونڈیاں اور مویشی تھے وہ مشرک تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے مسلمان ہونے پر برانگیختہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرے تو جتنا مال اس کے قبضہ میں ہے سب اس کا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے نسطاس حضرت بلال کے بدلے میں بیچ دیا۔ مشرکوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کے ساتھ یہ معاملہ کسی احسان کی وجہ سے کیا ہے جو حضرت بلال نے ان پر کیا ہوگا تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس وجہ سے اسے نصب دی گئی ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: مافی الدار أحد إلا حمارا رفع بھی جائز ہے یحییٰ بن وثاب نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اِلَّا ابْتِغَآءُ وَجْهِ رَبِّهٖ یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو مستثنیٰ میں رفع جائز سمجھتا ہے، جس طرح شاعر کا ایک شعر ہے:

وبلدةٍ لیس بها أنیسُ إلا الیعافیرُ وإلا العِیسُ

یہ ایسا شہر ہے جہاں کوئی انس کرنے والا نہیں مگر ہرن کے بچے اور اونٹ۔

قرآن حکیم میں ہے: مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (النساء: 66) یہاں بھی مستثنیٰ مرفوع ہے۔ الْاَعْلٰى اس رب کی صفات ہیں جو علو کی صفات کا مستحق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهٖ معنی کے اعتبار سے مفعول لہ ہو، کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے وہ اپنا مال نہیں دیتا مگر اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے نہ کہ کسی انعام کا بدلہ چکانے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں وہ بدلہ عطا کرے گا جو اسے راضی کر دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اِسے خرچ سے کئی گناہ عطا کرے گا۔

ابو حیان تیمی اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَحِمَ اللهُ أَبَابَكرٍ زَوَّجَنِی ابْنَتَهُ وَحَمَلَنِی إلی دارِ الهجرة وأعتق بلالًا من ماله (2) اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق پر رحم کرے اس نے اپنی بیٹی میرے عقد نکاح میں دی، مجھے دار ہجرت کی طرف لے گئے اور اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا۔ جب

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 488

2۔ جامع ترمذی، باب مناقب علی بن ابی طالب، حدیث نمبر 3647، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید ا تو حضرت بلال نے آپ سے کہا: کیا آپ نے مجھے اپنے کام کے لیے خریدا ہے یا اللہ تعالیٰ کے لیے خریدا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ حضرت بلال نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دو تو حضرت ابوبکر صدیق نے اسے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: حضرت ابوبکر صدیق ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال کو آزاد کیا۔

عطا نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ سورت حضرت ابو دحداح کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ وہ کھجور بنی جو انہوں نے اپنے باغ کے بدلے میں خریدی تھی۔ ثعلبی نے عطا سے یہ ذکر کیا ہے۔

قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک کھجور دس کھجوروں کے بدلے میں خریدی گئی تھی اور اس آدمی کا ذکر نہ کیا۔ عطا نے کہا: ایک انصاری کا کھجور کا ایک درخت تھا اس کی پکی کھجوریں اس کے پڑوس کے گھر میں گرتی تھیں اس کے بچے انہیں کھا لیتے تھے کھجور کے مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو اس درخت کو جنت کے ایک درخت کے بدلے بیچتا ہے؟'' مالک نے انکار کر دیا وہ آدمی باہر نکلا تو اسے حضرت ابو دحداح نے کہا: کیا تیری یہ رائے ہے کہ تو وہ کھجور حسنیٰ کے بدلے بیچ یہ آپ کا ایک باغ تھا اس آدمی نے کہا وہ کھجور آپ کی ہے حضرت ابو دحداح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کھجور مجھ سے جنت کی کھجور کے عوض خرید لیجئے۔ فرمایا: ''ہاں۔ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!'' فرمایا: یا رسول اللہ! وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کے پڑوسی کو بلایا اور فرمایا: وہ کھجور کا درخت لے لو''۔ تو یہ سورت حضرت ابو دحداح کے باغ اور اس کھجور والے کے حق میں نازل ہوئی۔ یعنی مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۝ سے مراد حضرت ابو الدحداح، الحسنیٰ سے مراد ثواب، یسریٰ سے مراد جنت ہے مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى سے مراد انصاری، حسنیٰ سے مراد ثواب اور عسریٰ سے مراد جہنم ہے۔ تردیٰ سے مراد ہلاک ہونا ہے الْاَشْقَى سے مراد وہ خزرجی ہے وہ منافق تھا وہ نفاق پر ہی مرا الْاَتْقَى سے مراد ابو دحداح ہے مَالَهٗ سے مراد اس کے کھجور کے ثمن میں جو مال خرچ کیا۔ کسی کا حضرت ابو دحداح پر کوئی احسان نہیں تھا جس کا وہ بدلہ چکانا چاہتے جب اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا تو ضرور راضی ہوگا (1)۔ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور دوسرے علماء کی یہی رائے ہے۔ ہم نے حضرت ابو دحداح کا واقعہ سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ:245) کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 495